پانچواں
موضوع

سیاحوں کی نظر سے

سماج کا تصور

(تقریباً دسویں صدی سے سترہویں صدی تک)

5279CH05

عورتوں اور مردوں نے کام کی تلاش میں قدرتی آفات سے بچنے کے لیے، تاجروں، سوداگروں، فوجیوں، پروہتوں اور زائرین کی شکل میں یا پھر مہم جوئی کے شعور واحساس سے سرشار ہو کر سیاحت کی ہے۔ وہ لوگ جو کسی نئے مقام پر آتے ہیں یا آباد ہو جاتے ہیں، یقینی طور پر ایک ایسی دنیا کو اپنے سامنے پاتے ہیں جو مناظر یا مادّی ماحول کی اصطلاح میں اور ساتھ ہی لوگوں کی رسوم، زبان، اعتقادات اور سلوک وعمل میں مختلف ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ ان اختلافات کے مطابق ڈھل جاتے ہیں اور دیگر جو کچھ حد تک خاص ہوتے ہیں، انھیں بغور اپنے تذکروں میں رقم کر لیتے ہیں۔ جس میں غیر معمولی اور قابل ذکر باتوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس خواتین کے ذریعہ چھوڑے گئے سفرنامے نہیں ہیں۔ حالانکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ بھی سیاحت کیا کرتی تھیں۔

شکل 5.1(a)
پان کے پتے

محفوظ بچے تذکرے، مواد مضمون کی اصطلاح میں مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ کچھ دربار کی سرگرمیوں سے متعلق ہوتے ہیں جب کہ دیگر مذہبی مسائل پر مرکوز ہوتے ہیں یا فن تعمیر (monuments) کی خصوصیات اور یادگاروں پر مرکوز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پندرھویں صدی میں وجے نگر شہر (باب 7) کے سب سے اہم تذکروں میں سے ایک تذکرہ ہرات سے آئے ایک سفیر عبدالرزّاق سمرقندی سے حاصل ہوتا ہے۔

کئی مرتبہ سیاح دور دراز علاقوں میں نہیں جاتے تھے۔ مثلاً مغل سلطنت (باب 8 اور 9) میں، انتظامیہ کے افسران کبھی کبھی سلطنت کے اندر ہی سفر کیا کرتے تھے اور اپنے مشاہدات قلمبند کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے ہی ملک کے مقبول رسوم و رواج، روایات وعقائد، عوامی حکاتیوں (Folklore) میں دلچسپی رکھتے تھے۔

شکل 5.1(b)
ناریل، کئی سیاحوں نے ناریل اور پان جیسی اشیا کو غیر معمولی مانا ھے۔

اس باب میں ہم یہ دیکھیں گے کہ برصغیر میں آئے سیاحوں کے ذریعہ بیان کیے گئے سماجی تذکروں کے مطالعہ سے ہم کس طرح اپنے ماضی کے متعلق علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم تین افراد کے تذکروں پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے: البیرونی، جو گیارھویں صدی میں ازبکستان سے آیا تھا۔ ابن بطوطہ (چودھویں صدی میں) مراقش (Morocco) سے اور فرانسیسی سیاح فرانس برنیئر (Francois Bernier) سترھویں صدی میں برصغیر ہند میں آیا تھا۔

پوری طرح سے مختلف سماجی وثقافتی ماحول سے آنے کے سبب یہ مصنفین روزمرہ کی سرگرمیوں اور رسم ورواج کے تئیں عموماً زیادہ متوجہ رہتے تھے جب کہ مقامی مصنّفین کے لیے یہ عام موضوعات تھے اور تذکروں میں درج کرنے کے قابل نہیں تھے۔ نظریہ میں اختلاف ہی سفر ناموں کو زیادہ دلچسپ بناتا ہے۔ سیاح سفر نامے کس کے لیے تحریر کرتے تھے؟ ہم دیکھیں گے کہ ان کے جوابات الگ الگ مثالوں میں مختلف ہیں۔

1. البیرونی اور کتاب الہند

1.1 خوارزم سے پنجاب تک

البیرونی کی پیدائش 973 عیسوی میں جدید ازبکستان میں واقع خوارزم میں ہوئی تھی۔ خوارزم ایک علمی وتعلیمی مرکز تھا۔ البیرونی نے اس وقت کی ممکن الحصول اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ کئی زبانوں جیسے شامی (سیریائی) فارسی، عبرانی (ہیبرو) اور سنسکرت کا عالم تھا۔ حالانکہ وہ یونانی زبان نہیں جانتا تھا تاہم وہ افلاطون (Plato) نیز دیگر یونانی فلسفیوں کے کاموں سے واقف تھا، جن کے اس نے عربی تراجم پڑھے تھے۔ 1017 عیسوی میں خوارزم پر حملے کے بعد سلطان محمود، یہاں کے کئی عالموں اور شعرا کو اپنے ساتھ اپنے دارالسلطنت غزنی لے گیا تھا۔ البیرونی بھی ان میں سے ایک تھا۔ وہ بطور یرغمال غزنی آیا تھا مگر آہستہ آہستہ یہ شہر اس کی پسند بنتا گیا اور تاحیات اس نے اپنی زندگی یہیں بسر کی۔ 70 سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی۔

غزنی میں ہی البیرونی کی ہندوستان کے تئیں دلچسپی پیدا ہوئی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ آٹھویں صدی سے ہی سنسکرت میں لکھی علم فلکیات، ریاضی اور طب سے متعلق کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہونے لگا تھا۔ پنجاب کے غزنی سلطنت کا حصہ بن جانے کے بعد مقامی لوگوں سے ہوئے رابطوں نے آپسی اعتماد اور فہم پیدا کرنے میں مدد کی۔ البیرونی نے برہمن پروہتوں اور عالموں کے ساتھ کئی سال گزارے، سنسکرت، مذہب اور فلسفہ کا علم حاصل کیا۔ حالانکہ اس کے سفر کی تفصیلات واضح نہیں ہیں پھر بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے پنجاب اور شمالی ہندوستان کا وسیع سفر کیا تھا۔

اس کے تحریر کرنے کے زمانے میں ہی سیاحتی ادب (سفر نامے) عربی ادب کا ایک قابل قبول حصہ بن چکا تھا۔ یہ ادب مغرب میں صحارا ریگستان سے لے کر شمال میں وولگا ندی تک پھیلے علاقوں سے متعلق ہے۔ گرچہ 1500 عیسوی سے قبل ہندوستان میں البیرونی کو کچھ ہی

ماخذ 1

البیرونی کے مقاصد

البیرونی نے اپنے کام کا ذکر اس طرح کیا ہے:

ان لوگوں کے لیے معاون جوان سے (ہندوؤں سے) مذہبی مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اطلاعات کا خزانہ جوان کے ساتھ متعلق ہونا چاہتے ہیں۔

البیرونی کی کتاب کا یہ اقتباس پڑھیے (ماخذ 5) اور بحث کیجیے کہ کیا یہ کتاب ان مقاصد کو پورا کرتی ہے۔

متون ترجمے، خیالات کی شمولیت

کئی زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے سبب البیرونی، زبانوں کا موازنہ اور کتابوں کا ترجمہ کرنے کے قابل ہوا۔ اس نے کئی سنسکرت کتابوں بشمول پتنجلی، قواعد کی تصنیف کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اپنے برہمن دوستوں کے لیے اقلیدس (Euclid)، ایک یونانی ریاضی داں، کے کاموں کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔

لوگوں نے پڑھا ہوگا لیکن ہندوستان سے باہر ممکن ہے کہ بہت سے افراد اسے پڑھ چکے ہوں۔

1.2 کتاب الہند

البیرونی کی تخلیق ''کتاب الہند'' کی عربی تحریر آسان اور واضح ہے۔ یہ ایک ایسی ضخیم کتاب ہے جو مذہب اور فلسفہ، تیوہاروں، علم فلکیات، علم کیمیا، رسم ورواج، عقائد، معاشرتی زندگی، وزن و پیائش، مجسمہ سازی، قانون اور نظام وزن و پیائش جیسے مضامین پر 80 ابواب میں منقسم ہے۔

عام طور سے (حالانکہ ہمیشہ نہیں) البیرونی نے ہر باب میں ایک جداگانہ روش اختیار کی ہے۔ ہر باب کی ابتدا ایک سوال سے ہوتی ہے اور پھر سنسکرت روایات پر مبنی وضاحت کے تسلسل اور دوسرے ثقافتی موازنہ کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ موجودہ دور کے چند دانشور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ تقریباً ہندسی ساخت (Geometric Structure) ہے جو اپنی صحت اور پیش بینی کی صلاحیت کے لیے قابل تعریف ہے اور بڑی حد تک ان کے ریاضیاتی فیصلوں سے مستعار بھی ہے۔

البیرونی جس نے کتاب تحریر کرنے کے لیے عربی زبان کا استعمال کیا تھا۔ ممکن ہے اپنی کتاب برصغیر کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے تحریر کی ہو۔ وہ سنسکرت، پالی اور پراکرت کتابوں کے عربی زبان میں ترجموں اور تصرف سے واقف تھا۔ اس میں فرضی قصوں سے لے کر علم فلکیات اور طب سے متعلق کتابیں شامل تھیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کتابوں کے مواد تحریر کی طرز کے ضمن میں اس کا نقطۂ نظر تنقیدی تھا۔ یقینی طور سے وہ اس میں اصلاح کرنا چاہتا تھا۔

نظامِ وزن و پیائش (Metrology) پیائش کی سائنس ہے۔

ہندو

اصطلاح ''ہندو'' تقریباً پانچویں۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں مستعمل قدیم فارسی لفظ سے نکلی ہے جس کا استعمال سندھ ندی کے مشرقی علاقوں کے لیے ہوتا تھا۔ عربوں نے اس فارسی لفظ کو مستعمل رکھا اور اس علاقے کو ''الہند'' کہا۔ بعد میں ترکوں نے سندھ کے مشرق میں رہنے والے لوگوں کو ''ہندو'' اور ان کی سرزمین کو ''ہندوستان'' اور ان کی زبان کو ''ہندوی'' کا نام دیا۔ ان میں سے کوئی بھی اصطلاح لوگوں کی مذہبی شناخت کی مظہر نہیں تھی۔ مدتوں بعد اس اصطلاح کا اطلاق مذہب کے ساتھ کیا جانے لگا۔

بحث کیجیے۔۔۔

اگر البیرونی اکیسویں صدی میں ہوتا تو یہی زبانیں جاننے پر اسے دنیا کے کن علاقوں میں آسانی سے سمجھا جا سکتا تھا؟

شکل 5.2
تیرھویں صدی کے عربی قلمی نسخے کی ایک تصویر جس میں چھٹی صدی قبل مسیح کے ایتھینز شہر کے سیاستداں اور شاعر سولون کو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔
ان کے لباس پر غور کیجیے جن میں انھیں دکھایا گیا ہے

2. ابن بطوطہ کا رحلہ

2.1 ایک ابتدائی عالمی سیاح

ابن بطوطہ کی عربی زبان میں تحریر سیاحت کی کتاب جسے 'رحلہ' کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی کے برصغیر ہند کی سماجی اور ثقافتی زندگی کے متعلق تفصیلی اور دلچسپ معلومات فراہم کراتی ہے۔ مراکش کے اس سیاح کی پیدائش تنجیار کے ایک باعزت اور تعلیم یافتہ خاندان میں جو اسلامی مذہبی قانون یعنی شریعت میں خصوصی مہارت کے لیے مشہور تھا، میں ہوئی تھی۔ اپنی خاندانی روایت کے بموجب ابن بطوطہ نے کم عمر میں ہی ادبی اور مکتبی تعلیم حاصل کر لی تھی۔

اپنے طبقے کے دیگر افراد کے برخلاف ابن بطوطہ کتابوں کے مقابلے سیاحت سے حاصل تجربات کو علم اور معلومات کا زیادہ اہم ذریعہ مانتا تھا۔ اسے سیاحت کا بہت شوق تھا۔ وہ نئے نئے ممالک اور لوگوں کے متعلق جاننے کے لیے دور دراز کے مقامات تک گیا۔ 33-1332 میں ہندوستان کے لیے روانہ ہونے سے قبل وہ مکہ کے زیارتی سفر (حج) اور شام (سیریا)، عراق، فارس (ایران)، یمن، عمان اور مشرقی افریقہ کے کئی ساحلی تجارتی بندرگاہوں کی سیاحت کر چکا تھا۔

وسط ایشیا کے زمینی راستے سے ہوکر ابن بطوطہ 1333 میں سندھ پہنچا۔ اس نے دہلی کے سلطان محمد بن تغلق کے بارے میں سنا تھا اور فن و ادب کے ایک قدرداں کی حیثیت سے اس کی شہرت کی کشش سے متاثر ہوکر ابن بطوطہ ملتان اور کچھ کے راستے سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان اس کی علمیت سے متاثر ہوا، اسے دہلی کا قاضی یعنی جج مقرر کیا۔ وہ اس عہدہ پر کئی سال تک رہا مگر اس نے اپنا اعتماد کھو دیا اور اُسے قید کر دیا گیا۔ بعد میں سلطان اور اس کے درمیان کی غلط فہمی دور ہونے کے بعد اس کو شاہی خدمت میں بحال کر دیا گیا۔ 1342 میں اُسے منگول حکمراں کے پاس سلطان کے سفیر کی حیثیت سے چین جانے کا حکم دیا گیا۔

اپنی نئی تفویض کے ساتھ ابن بطوطہ وسطی ہندوستان کے راستے مالابار ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ مالابار سے وہ مالدیپ گیا جہاں وہ اٹھارہ مہینے قاضی کے عہدہ پر فائز رہا۔ بالآخر اس نے سری لنکا جانے کا فیصلہ کیا۔ بعد میں ایک بار پھر وہ مالابار ساحل اور مالدیپ گیا۔ چین جانے کے اپنے مشن کو دوبارہ شروع کرنے سے قبل وہ بنگال اور آسام بھی گیا۔ وہ جہاز سے سماترا گیا اور

اپنا گھونسلہ چھوڑتا ہوا پرندہ

یہ رحلہ سے لیا گیا ایک اقتباس ہے:

میرے مقام پیدائش تنجیار سے میری روانگی جمعرات کو ہوئی .... میں اکیلا ہی نکل پڑا .... نہ ہی کوئی ہمسفر .... اور نہ کوئی قافلہ جس میں شامل ہو سکتا، لیکن اپنی دلی خواہش اور جذبات سے مغلوب میں اُن مقدس مقامات کو دیکھنے نکل پڑا، جو برسوں سے میرے سینے میں پل رہی تھیں اور میرے ارادے کو تقویت بخش رہی تھیں۔ اس لیے میں نے اپنے عزیزوں، مرد، عورت اور اپنے گھر کو خیرآباد کہا جیسے پرندے اپنے گھر گھونسلے سے نکل پڑتے ہیں ...... اس وقت میری عمر 22 سال تھی۔

اپنی روانگی کے تقریباً 30 سال بعد ابن بطوطہ 1354 میں واپس اپنے گھر لوٹا۔

شکل 5.3

ڈاکو مسافروں پر حملہ کرتے ہوئے۔ سولھویں صدی کی مغل پینٹنگ

⇦ آپ ڈاکوؤں اور مسافروں کے درمیان کیسے فرق کریں گے؟

شکل 5.4
ایک کشتی میں سوار مسافر، بنگال کے ایک مندر میں ٹری کوٹا مجسمہ سازی، (تقریباً سترھویں -اٹھارھویں صدی)

سماترا سے ایک دوسرے جہاز سے چین کے بندرگاہی شہر زیاتن (Zaytun) (اب قوانزہو، Quanzhou کے نام سے جانا جاتا ہے) گیا۔ اس نے چین میں خوب سیاحت کی۔ وہ بیجنگ تک گیا لیکن وہاں وہ طویل عرصے تک نہیں ٹھہرا۔ 1347 میں اس نے اپنے گھر واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ چین کے ضمن میں اس کے سفر نامہ کا موازنہ مارکو پولو، جس نے تیرھویں صدی کے آخر میں وینس سے روانہ ہو کر چین (اور ہندوستان کا بھی) کا سفر کیا تھا، کے سفر نامے سے کیا جاتا ہے۔

آپ کے خیال میں کچھ مسافر ہتھیار کیوں لیے ہوئے ہیں؟

بے یارومددگار سیاح (The lonely traveller)

طویل سفر میں صرف لٹیرے ہی ایک خطرہ نہیں تھے، مسافر وطن کی یاد میں افسردہ ہو سکتا تھا یا بیمار پڑ سکتا تھا۔ یہاں 'رحلہ' سے لیا گیا ایک اقتباس پیش ہے:

مجھ پر بخار کا حملہ ہوا تھا۔ میں نے کمزوری کے سبب گرنے سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو پگڑی کے کپڑے سے زین کے ساتھ باندھ لیا ...... آخر کار ہم تیونس شہر پہنچے اور وہاں کے باشندے اور قاضی کا لڑکا استقبال کرنے کے لیے شہر کے باہر آئے۔ چاروں طرف سے لوگ خیر مقدم کے لیے آگے بڑھے اور ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی میرا استقبال نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس سے میرا تعارف ہو، اپنے اکیلے پن سے میں اتنا اداس ہوا کہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو میں روک نہیں سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ مگر ایک زائر میری غمگینی کے سبب میرے پاس آیا اور میرا خیر مقدم کیا ....

نقشہ 1
افغانستان، سندھ اور پنجاب کے وہ مقامات، جن کی ابن بطوطہ نے سیاحت کی

کئی مقامات کے نام اسی طرح لکھے گئے ہیں جس طرح ابن بطوطہ انھیں جانتا تھا۔
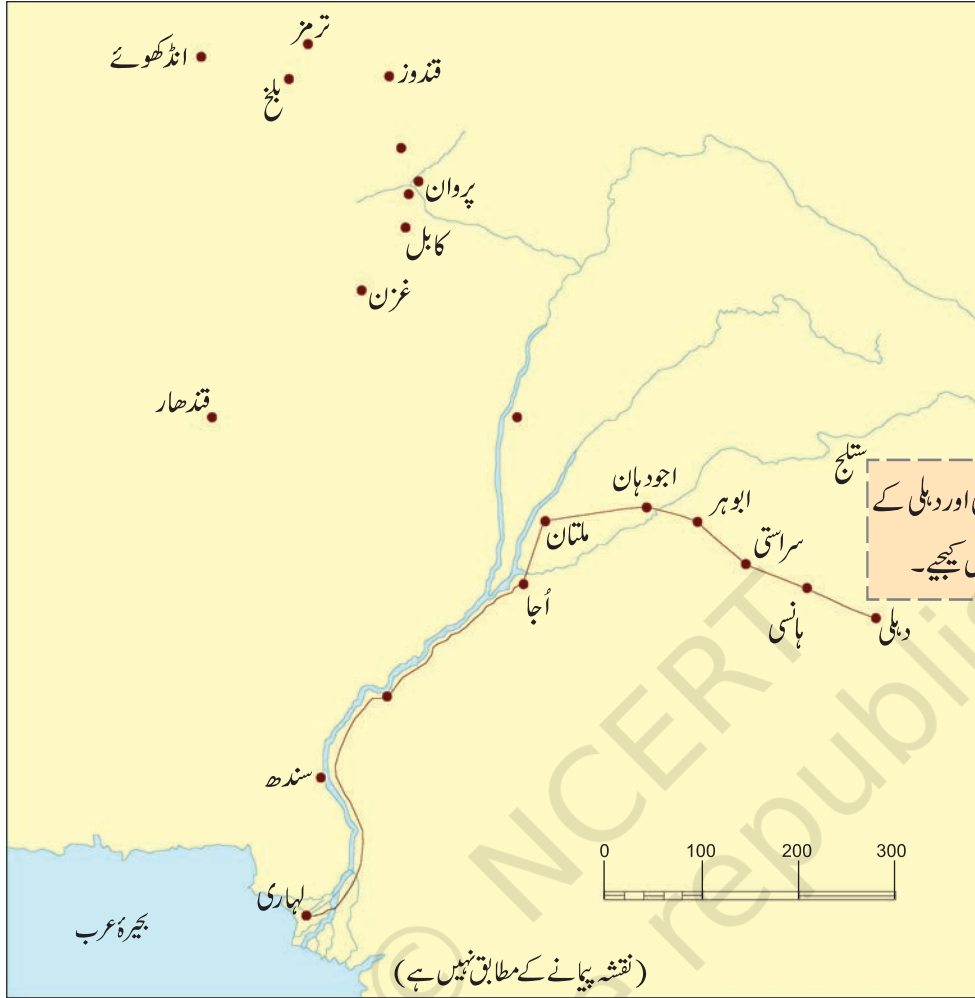
اسکیل کی مدد سے نقشے میں ملتان اور دہلی کے درمیان دیے گئے فاصلے کی پیمائش کیجیے۔

سفر کرنا بہت زیادہ محفوظ بھی نہیں تھا۔ ابن بطوطہ پر کئی مرتبہ ڈاکوؤں کے گروہوں نے حملے کیے تھے۔ درحقیقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کارواں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اس طرح بھی شاہراہوں کے لیٹروں کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔ ملتان سے دہلی کے سفر کے دوران اس کے کارواں پر حملہ ہوا تھا اور اس کے کئی ساتھی مسافروں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ جو زندہ بچ گئے تھے۔ ان میں ابن بطوطہ بھی تھا، سب شدید زخمی ہو گئے تھے۔

2.2 ''تجسس کا لطف''

جیسا کہ ہم نے دیکھا ابن بطوطہ ایک تجربہ کار سیاح تھا۔ جس نے اپنے آبائی وطن مراقش واپس جانے سے قبل کئی سال شمالی افریقہ، مغربی ایشیا، وسطی ایشیا کے کچھ علاقے (ہو سکتا ہے کہ وہ روس بھی گیا ہو) برصغیر ہندوستان اور چین کے سفر کیے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو مقامی حکمراں نے حکم دیا کہ اس کی کہانیوں کو قلمبند کیا جائے۔

ماخذ 3

تعلیم اور تفریح

ابن جوزی نے جسے ابن بطوطہ کی عبارت (تحریر) املا کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اپنے ابتدائیہ میں لکھا ہے:

(حکمراں کے ذریعہ) ایک مشفقانہ ہدایت دی گئی کہ وہ (ابن بطوطہ) اپنے سفر کے دوران دیکھے گئے شہروں کا نیز اپنی یاداشت میں محفوظ دلچسپ واقعات کو املا کروائیں یعنی تحریر کروائیں اور ساتھ ہی مختلف ممالک کے حکمرانوں میں سے جن سے وہ ملیں، ان کے ممتاز علما کے نیز ان کے برگزیدہ بزرگوں کے متعلق بتائیں۔ اس کے مطابق انھوں نے ان سبھی مضامین پر بیان لکھوایا۔ جس نے ذہن کو تفریح، کانوں اور آنکھوں کو خوشی عطا کی۔ ساتھ ہی انھوں نے کئی قسم کے غیر معمولی تذکرے جن کا ذکر کرنے سے روحانی تسکین ہوتی ہے، بیان کیے اور شاندار چیزوں کے بارے میں بتایا جن کے حوالے سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

ابن بطوطہ کے نقش قدم پر

1400 سے 1800 کے درمیان ہندوستان میں آئے سیاحوں نے فارسی میں کئی سفرنامے تحریر کیے ہیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان سے وسط ایشیا، ایران اور عثمانی سلطنت کی سیاحت کرنے والوں نے بھی گاہے بگاہے اپنے تجربات تحریر کیے ہیں۔ ان مصنّفین نے البیرونی اور ابن بطوطہ کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ ان میں کچھ نے ان ابتدائی مصنّفین کو پڑھا بھی تھا۔

ان مصنّفین میں سے سب سے مشہور عبدالرزّاق سمرقندی ہے جس نے 1440 کی دہائی میں جنوبی ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ محمود ولی بخش جس نے 1620 کی دہائی میں دور دراز تک سیاحت کی تھی۔ نیز شیخ علی حزیں جو 1740 کی دہائی میں شمالی ہندوستان آئے تھے، شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ مصنّفین ہندوستان سے مسحور تھے اور یہاں تک کہ ان میں سے ایک محمود بلخی تو کچھ وقت کے لیے سنیاسی بھی بن گئے تھے۔ کچھ دیگر جیسے حزیں ہندوستان سے مایوس ہوئے، یہاں تک کہ نفرت بھی کرنے لگے۔ وہ ہندوستان میں اپنے لیے ایک شاندار سلوک کی امید رکھتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر نے ہندوستان کو عجائبات کے ملک کی صورت میں دیکھا تھا۔

شکل 5.5

اٹھارھویں صدی کی ایک پینٹنگ جس میں سیاحوں کو آگ کے اردگرد مجتمع دکھایا گیا ہے۔

گفتگو کیجیے...

البیرونی اور ابن بطوطہ کے تحریر کردہ تذکروں کے مقاصد کا موازنہ کیجیے۔

3. فرانسس برنیئر
ایک منفرد ڈاکٹر (معالج)

تقریباً 1500 کے قریب پرتگالیوں کے ہندوستان آنے کے بعد ان میں سے بعض لوگوں نے ہندوستانی رسم و رواج اور مذہبی معمولات کے متعلق مفصل روداد یں لکھیں۔ان میں سے کچھ لوگوں کے جیسے جیسوئٹ روبرٹو نوبیلی (Jesuit Roberto Nobili) نے تو ہندوستانی گرنتھوں کا یوروپی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا۔

ان میں سب سے معروف مصنّفین میں ایک نام دوارتے باربوسا (Duarte Barbosa) کا ہے ، جس نے جنوبی ہندوستان کی تجارت اور سماج کا ایک تفصیلی بیان قلمبند کیا ہے۔ بعد میں 1600 کے بعد ہندوستان میں آنے والے ڈچ، انگریز اور فرانسیسی سیاحوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ ان میں سب سے مشہور نام فرانسیسی جوہری جین بپٹیسٹ ٹوَرنیئر (Jean Baptiste Tavernier) کا تھا، جس نے کم از کم چھ مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا۔ وہ خاص طور پر ہندوستان کے تجارتی حالات سے بہت مسحور تھا۔ اس نے ہندوستان کا موازنہ ایران اور عثمانی سلطنت سے کیا۔ ان میں سے کئی سیاح جیسے اطالوی معالج منوچی (Manucei) کبھی بھی یوروپ واپس نہیں گئے اور ہندوستان کو ہی مسکن بنالیا۔

شکل 5.6
سترھویں صدی کی ایک تصویر میں برنیئر کو یوروپی پوشاک پہنے دکھایا گیا ہے۔

فرانس کا رہنے والا فرانسس برنیئر ایک معالج، سیاسی فلسفی نیز ایک مؤرخ تھا۔ دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی مغل سلطنت میں مواقع کی تلاش میں آیا تھا۔ وہ بارہ سال تک 1656 سے 1668 تک ہندوستان میں رہا۔ پہلے شہنشاہ شاہ جہاں کے بڑے بیٹے داراشکوہ کے معالج کے طور پر مغل دربار سے وابستہ رہا اور بعد میں ایک آرمینیائی امیر دانشمند خان کے ساتھ ایک دانشور اور سائنسداں کی شکل میں مغل دربار سے وابستہ رہا۔

3.1 ''مشرق'' اور ''مغرب'' کا موازنہ

برنیئر نے ملک کے کئی علاقوں کی سیاحت کی اور جو دیکھا اس کی روداد لکھی۔ اس نے یہاں کے حالات کا موازنہ یوروپی حالات سے کیا۔ اس نے اپنی اہم تحریر فرانسیسی حکمراں لوئی چودھواں (Louis XIV) کے نام معنون کیا۔ اور اپنی بعض دوسری تحریروں کو بااثر عہدیداروں اور وزرا کو خطوط کی شکل میں پیش کیا۔ یوروپی ترقی سے ہندوستان کا موازنہ کرتے ہوئے برنیئر نے ہندوستان کے حالات کو مایوس کن بتایا۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ اُس کے بیشتر مشاہدے درست نہیں تھے اس کے باوجود جب بھی اس کی کوئی تحریر شائع ہوتی، بےحد مقبول ہوتی۔

شکل 5.7
ہندوستانی لباس میں ٹیورنیئر کی تصویر

ماخذ 4

مغل فوج کے ساتھ سفر

برنیئر نے کئی مرتبہ مغل فوج کے ساتھ سفر کیا تھا۔ یہاں فوج کے کشمیر کوچ کرنے کے تعلق سے تحریر کردہ تذکرے کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:

اس ملک کے رواج کے مطابق مجھ سے دو عمدہ ترکمانی گھوڑے رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ میں اپنے طاقتور فارسی اونٹ اور کوچ بان، اپنے گھوڑے کے لیے ایک سائس، ایک خام نامہ نیز ایک خدمت گار جو اپنے ہاتھوں میں پانی کا برتن لے کر میرے گھوڑے کے آگے چلتا ہے، بھی رکھتا ہوں۔ مجھے استعمال کی ہر شے دی گئی۔ جیسے ایک مناسب سائز کا خیمہ، ایک دری، چار بہت مضبوط پر ہلکے بید سے بنا ایک سفری پلنگ، ایک تکیہ، ایک بستر، کھانے کے وقت کے لیے مناسب گول شکل کا چمڑے کا میز پوش، رنگے ہوئے کپڑے کے کچھ رومال، کھانا بنانے کے برتن سے بھرے تین چھوٹے تھیلے جو سبھی ایک بڑے تھیلے میں رکھے ہوئے تھے اور یہ تھیلا بھی ایک لمبے چوڑے نیز مضبوط دوہرے بورے اور چمڑے کے تسمے سے بنے جال میں رکھا تھا، اسی طرح اس دوہرے بورے میں آقا اور خدمت گاروں کی غذائی اشیا، سوتی کپڑے اور لباس رکھے گئے ہیں۔ میں نے احتیاط سے پانچ یا چھ دنوں کے صرفہ کے لیے عمدہ چاول، سونف (ایک جڑی بوٹی) کی خوشبو والے میٹھے بسکٹ، لیمو نیز چینی کا ذخیرہ ساتھ رکھا۔ ساتھ ہی دہی نتھار نے مناسب چھوٹے لوہے کے ہک والے تھیلے لینا بھی نہیں بھولا تھا۔ اس ملک میں لیموں کے شربت اور دہی سے زیادہ تازگی بھری کوئی شے نہیں ہے۔

برنیئر کی فہرست میں سے کون سی اشیا ایسی ہیں جو آج سفر میں آپ ساتھ لے جانا چاہیں گے؟

برنیئر کی تحریریں 71-1670 میں فرانس میں شائع ہوئیں تھیں۔ اگلے پانچ برسوں کے اندر ہی انگریز، ڈچ، جرمن اور اطالوی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو گیا تھا۔ 1670 اور 1725 کے درمیان اس کا سفر نامہ فرانسیسی زبانوں میں آٹھ بار از سر نو شائع ہو چکا تھا۔ 1684 تک یہ تین مرتبہ انگریزی میں شائع ہوا تھا۔

ہندوستان کے متعلق خیالات کی تخلیق اور اشاعت

یوروپی سیاحوں کی تحریروں اور ان کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کی مدد سے یوروپی لوگوں میں ہندوستان کی ایک شبیہ پیدا کرنے میں مدد ملی۔ بعد میں 1750 کے بعد جب شیخ اعتصام الدین اور مرزا ابوطالب جیسے ہندوستانیوں نے یوروپ کا سفر کیا تو انھیں یوروپی لوگوں میں موجود ہندوستانی سماج کی شبیہ کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے حقائق و مواد کو اپنی تشریح کے مطابق ترتیب دیا اور اپنے طریقہ سے ترتیب دے کر متاثر کرنے کی کوشش کی۔

بحث کیجیے...

ہندوستانی زبانوں میں بڑی مقدار میں سیاحتی ادب دستیاب ہیں۔ آپ اپنے گھر میں بولی جانے والی زبان کے سیاح مصنّفین کے متعلق معلوم کیجیے۔ کسی ایک ایسی روداد کو پڑھیے اور سیاح کے ذریعہ دیکھے گئے علاقوں، اس نے جو خود دیکھے اور اس کے ذریعہ روداد لکھے جانے کے اسباب بیان کیجیے۔

4. ایک اجنبی دنیا کے فہم کی تعمیر
البیرونی اور سنسکرت روایت

4.1 فہم کے لیے رکاوٹوں سے نبرد آزمائی

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، سیاحوں نے برصغیر ہند میں جو بھی دیکھا عموماً اس کا موازنہ انھوں نے ان معمولات سے کیا جن سے وہ واقف تھے۔ ہر سیاح نے اسے سمجھنے کے لیے ایک الگ طریقہ اپنایا۔ مثلاً البیرونی اپنے لیے ایک متعین تفویض میں پوشیدہ مشکلات سے واقف تھا۔ اس نے کئی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے فہم میں مانع تھیں۔ ان میں سب سے پہلی رکاوٹ زبان تھی۔ اس کے مطابق سنسکرت، عربی اور فارسی سے اتنی مختلف تھی کہ خیالات ونظریات کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس نے مذہبی عقائد اور اس پر عمل آوری کی دوسری رکاوٹ کے طور پر نشاندہی کی۔ تیسری رکاوٹ مقامی باشندوں کی خود انہا کی اور تنگ نظری تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مشکلات کے علم کے باوجود البیرونی نے مکمل طور پر برہمنوں کے ذریعہ لکھی گئی کتابوں پر انحصار کیا۔ اس نے ہندوستانی سماج کو سمجھنے کے لیے اکثر ویدوں، پرانوں، بھگوت گیتا، پتنجلی کی تحریروں اور منوسمرتی سے اقتباسات نقل کیے۔

4.2 البیرونی کا ذات پات کے نظام کا بیان

البیرونی نے دیگر سماجوں میں موجود متوازی ذات پات کے نظام کے ذریعہ سے ذات پات کے نظام کو سمجھنے اور تشریح کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا ہے کہ قدیم فارس (ایران) میں چار سماجی درجات تسلیم شدہ تھے۔ شہسوار اور شہزادے؛ راہب، آتش پرست، پجاری اور وکلا؛ اطبا، ہیئت داں اور دیگر سائنسداں اور آخر میں کسان اور دستکار۔ دوسرے الفاظ میں وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ سماجی تقسیم صرف ہندوستان تک محدود نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ دیا کہ اسلام میں سبھی لوگوں کو برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان میں فرق صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ذات پات کے نظام کے تعلق سے برہمن وادی تفصیل وتعبیر کو تسلیم کرنے کے باوجود البیرونی نے آلودگی کے خیال کو قبول نہیں کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ ہر وہ چیز جو آلودہ ہو جاتی ہے واپس اپنی اصل حالت میں آنے کی کوشش کرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے۔

غیر معمولی وسعت والی زبان

سنسکرت کے متعلق البیرونی لکھتا ہے:

اگر آپ اس (یعنی سنسکرت زبان سیکھنے کی) زبان پر فتح پانا چاہتے ہیں تو آسان نہیں ہوگا۔ کیونکہ عربی کی ہی طرح، الفاظ اور گردان، دونوں میں اس زبان کی غیر معمولی وسعت ہے۔ اس میں ایک ہی چیز کئی الفاظ، بنیادی اور مشتق دونوں، بولے جاتے ہیں جنھیں مناسب طور پر سمجھنے کے لیے مختلف قابل وصف طریقے سے ایک دوسرے سے الگ کیا جانا ضروری ہے۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سیاح بتائی گئی باتوں پر ہمیشہ یقین نہیں کرتے۔ البیرونی کو جب ایک لکڑی کے مجسمے کے بارے میں پتا چلا جو کہانی کی رو سے 2,16,432 سال تک وجود میں رہی، تو البیرونی پوچھتا ہے:

لکڑی اتنے طویل عرصے تک کیسے وجود میں رہی ہوگی، خاص طور پر ایسے مقام پر جہاں ہوا اور مٹی کافی نم ہوتی ہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے!

سورج ہوا کو خالص کرتا ہے اور نمک سمندر میں پانی کو آلودگی سے بچاتا ہے۔ البیرونی پُر زور انداز میں کہتا ہے کہ اگر ایسا نہیں ہوتا تو زمین پر زندگی ناممکن ہوتی۔

ماخذ 5

ورنوں کا نظام

البیرونی ورن نظام کا ذکر یوں کرتا ہے:

سب سے اعلیٰ ذات برہمن کی ہے۔ جن کے متعلق ہندوؤں کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے کیونکہ برہمن قدرت نامی طاقت کا دوسرا نام ہے۔ اور 'سر' جسم کا سب سے اعلیٰ حصہ ہے۔ اس لیے برہمن کُل حیوانات کا سب سے چیدہ حصہ ہیں۔ اسی وجہ سے ہندو انھیں نوع انسانی میں سب سے افضل مانتے ہیں۔

دوسری ذات چھتریوں کی ہے۔ جن کی تخلیق، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ ان کا درجہ برہمنوں سے زیادہ نیچے نہیں ہے۔

اس کے بعد ویش آتے ہیں۔ ان کی پیدائش برہما کی رانوں سے ہوئی تھی، شودر کی پیدائش ان کے پیروں سے ہوئی تھی۔

آخر کے دو طبقوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن ان طبقوں کے درمیان فرق ہونے کے باوجود بھی یہ ایک ساتھ ہی شہروں اور گاؤں میں ایک جیسے مکانوں اور گھروں میں رہتے ہیں۔

البیرونی نے جو تحریر کیا ہے اس کا موازنہ باب 3 کے ماخذ 6 سے کیجیے۔ کیا آپ نے ان میں کوئی یکسانیت اور فرق پر غور کیا؟ کیا آپ سوچتے ہیں کہ البیرونی نے ہندوستانی سماج کے متعلق اپنی معلومات اور فہم کے لیے صرف سنسکرت کتابوں پر ہی انحصار کیا؟

جیسا کہ ہم نے دیکھا، ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کا بیان اس کی سنسکرت کی معیاری و قانونی کتابوں کے مطالعہ سے غائر طور پر متاثر تھا۔ ان کتابوں میں برہمنوں کے نقطۂ نظر سے ذات پات کے نظام کو چلانے والے اصولوں کو بیان کیا گیا تھا۔ لیکن حقیقی زندگی میں یہ نظام اتنا بھی سخت نہیں تھا۔ مثلاً انتیاجہ (لغوی طور پر نظام سے باہر پیدا) نامی درجات سے اکثر یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ کسانوں اور زمینداروں کے لیے سستی محنت (مزدوری) مہیا کرائیں (باب 8 بھی ملاحظہ کریں)۔ بالفاظ دیگر حالانکہ یہ اکثر سماجی استحصال کا شکار ہوتے تھے۔ پھر بھی انھیں معاشی نیٹ ورک میں شامل کیا جاتا تھا۔

بحث کیجیے...

ایک مختلف علاقے سے آئے سیاح کے لیے، اس علاقے کی زبان کا علم کتنا ضروری ہے؟

5. ابن بطوطہ اور غیر مانوس کو جاننے کا تجسس

چودھویں صدی میں ابن بطوطہ دہلی آیا تھا۔ اس وقت تک پورا برّصغیر ہند ایک ایسے عالمی نیٹ ورک رابطہ کا حصہ بن چکا تھا جو مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں شمالی مغربی افریقہ اور یوروپ تک پھیلا ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ابن بطوطہ نے خود ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر سفر کیے تھے، مقدس مذہبی یادگاروں کو دیکھا تھا، عالموں اور حکمرانوں کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ اکثر قاضی کے عہدہ پر فائز رہا اور شہری مراکز کی عالمی ثقافت سے لطف اندوز ہوا تھا، جہاں عربی، فارسی، ترکی اور دیگر زبانیں بولنے والے افراد، خیالات اور تاریخی تفصیلات میں شریک ہوتے تھے۔ اس میں اپنے تقویٰ کے لیے مشہور افراد کی، ایسے راجاؤں کی جو ظالم اور رحم دل دونوں ہو سکتے تھے اور عام مرد وخواتین نیز ان کی زندگیوں کی کہانیاں شامل تھیں اور جو بھی غیر مانوس تھا اس پر خاص طور سے روشنی ڈالی جاتی تھی۔ ایسا یہ یقینی کرنے کے لیے کیا جاتا تھا کہ سامع یا قاری دور دراز کی قابل رسائی دنیا کے تذکروں سے پوری طرح متاثر ہو سکے۔

5.1 ناریل اور پان

ابن بطوطہ کے طرز بیان کے طریقوں کی کچھ مثالیں ان طریقوں میں ملتی ہیں جن میں وہ ناریل اور پان–دو ایسی بناتاتی پیداوار جن سے اس کے قارئین پوری طرح ناواقف تھے، کا ذکر کرتا ہے۔

ماخذ 7

پان

پان پر ابن بطوطہ کی وضاحت کا مطالعہ کیجیے۔

پان ایک ایسا درخت ہے جسے انگور کی بیل کی طرح ہی اگایا جاتا ہے...... پان کا کوئی پھل نہیں ہوتا اور اس کو صرف اس کے پتوں کے لیے ہی اگایا جاتا ہے....... اس کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے کھانے سے پہلے چھالیا لی جاتی ہے۔ یہ جائفل جیسی ہی ہوتی ہے مگر اسے تب تک توڑا (کترا) جاتا ہے جب تک اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نہیں ہو جاتے اور انھیں منہ میں رکھ کر چبایا جاتا ہے۔ اس کے بعد پان کے پتوں پر تھوڑا سا کتھا رکھ کر اس کے ساتھ انھیں چبایا جاتا ہے۔

➲ آپ کے خیال میں اس نے (پان نے) ابن بطوطہ کی توجہ اپنی طرف کیوں مبذول کرائی؟ کیا آپ اس بیان میں کچھ اور جوڑنا چاہیں گے؟

ماخذ 6

انسانی سر جیسا گری دار میوہ

ناریل کا تذکرہ ابن بطوطہ اس طرح کرتا ہے:

یہ درختوں کی قسم میں سب سے منفرد اور نشو ونما کے طریقے میں متحیر کن درختوں میں سے ایک ہے۔ یہ ہو بہو کھجور کے درختوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک سے گری دار میوہ حاصل ہوتا ہے اور دوسرے سے کھجور۔ ناریل کے درخت کا پھل انسانی سر سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس میں بھی مانو دو آنکھیں اور ایک منہ ہے جب وہ ہرا رہتا ہے تو دماغ جیسا نظر آتا ہے۔ اس سے جڑے ریشے بالوں جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اس سے رسّی بناتے ہیں۔ لوہے کی کیلوں کے استعمال کے بجائے اس سے جہاز کو سیتے (جوڑتے) ہیں۔ وہ اس سے برتنوں کے لیے رسّی بھی بناتے ہیں۔

➲ ناریل کیسے نظر آتے ہیں؟ اپنے قاری کو یہ بات سمجھانے کے لیے ابن بطوطہ کس طرح کا تقابل پیش کرتا ہے؟ کیا یہ تشبیہ مناسب ہے؟ وہ کس طرح سے ذہن نشین کراتا ہے کہ ناریل ایک غیر معمولی پھل ہے؟ ابن بطوطہ کا یہ بیان کتنا صحیح ہے؟

5.2 ابن بطوطہ اور ہندوستانی شہر

ابن بطوطہ نے برصغیر ہند کے شہروں کو ان کے لیے پر جوش مواقع سے بھر پور پایا جن کے پاس ضروری جانفشانی، وسائل اور مہارت تھی۔ یہ شہر گھنی آبادی والے اور خوشحال تھے۔ سوائے کبھی کبھی جنگ اور حملوں سے ہونے والے انتشار کے۔ ابن بطوطہ کے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر شہروں میں بھیڑ بھاڑ والی سڑکیں اور منوّر و رنگین بازار تھے جو مختلف طرح کی اشیا سے بھرے پڑے رہتے تھے۔ ابن بطوطہ دہلی کو نہایت وسیع، بڑی آبادی کے ساتھ ہندوستان کا سب سے بڑا شہر بتاتا ہے۔ دولت آباد (مہاراشٹر میں) بھی کم بڑا نہیں تھا اور رقبے میں دہلی کے مدّ مقابل تھا۔

- ابن بطوطہ نے فنِّ تعمیر کی کن خصوصیات پر توجہ دی ہے؟ شکل 5.8 اور 5.9 کی تصاویر سے اس بیان کا موازنہ کیجیے۔

ماخذ 8

دہلی

جسے اس عہد کی کتابوں میں اکثر دلّی کے نام سے لکھا جاتا تھا، کا تذکرہ ابن بطوطہ اس اقتباس میں یوں کرتا ہے:

دلّی ایک وسیع رقبے میں پھیلا گھنی آبادی والا شہر ہے۔ شہر کی فصیل غیر متوازی ہے۔ دیوار کی چوڑائی گیارہ ہاتھ (ایک ہاتھ تقریباً 18 سے 20 انچ) یا نیم گز ہے۔ اس کے اندر رات کے پہرے دار اور دربانوں کے مکانات ہیں۔ اس کے اندر اشیائے خوردنی، سامان جنگ (میگزین)، گولہ بارود، منجنیقیں اور محاصرہ میں کام آنے والی مشینوں کو رکھنے کے لیے گودام بنے ہوئے ہیں۔ بغیر خراب ہوئے، ان فصیلوں میں اناج طویل عرصہ تک رکھا جا سکتا تھا۔۔۔۔ فصیلوں کے اندرونی حصے میں گھوڑ سوار اور پیادہ فوجی شہر کے ایک جانب سے دوسری جانب جایا کرتے تھے۔ کھڑکیاں شہر کے جانب کھلتی ہیں۔ ان ہی کھڑکیوں کے ذریعہ روشنی اندر آتی ہے۔ فصیل کا نچلا حصہ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے جب کہ اوپری حصہ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے قریب قریب کئی میناریں بنی ہیں۔ اس شہر کے اٹھائیس ابواب ہیں جنھیں دروازہ کہا جاتا ہے۔ ان میں بدایوں دروازہ سب سے بڑا ہے۔ مانڈوی دروازے کے اندر ایک اناج منڈی ہے۔ گل دروازے کے بغل میں پھولوں کا باغیچہ ہے......... اس (دہلی شہر) میں ایک بہترین قبرستان ہے جس میں موجود قبروں کے اوپر گنبد بنا ہے۔ اور جن قبروں کے اوپر گنبد نہیں ہے ان پر ایک محراب ہے۔ قبرستان میں چنبیلی اور جنگلی گلاب وغیرہ پھول اگائے جاتے ہیں اور یہاں پھول سبھی موسم میں کھلے رہتے ہیں۔
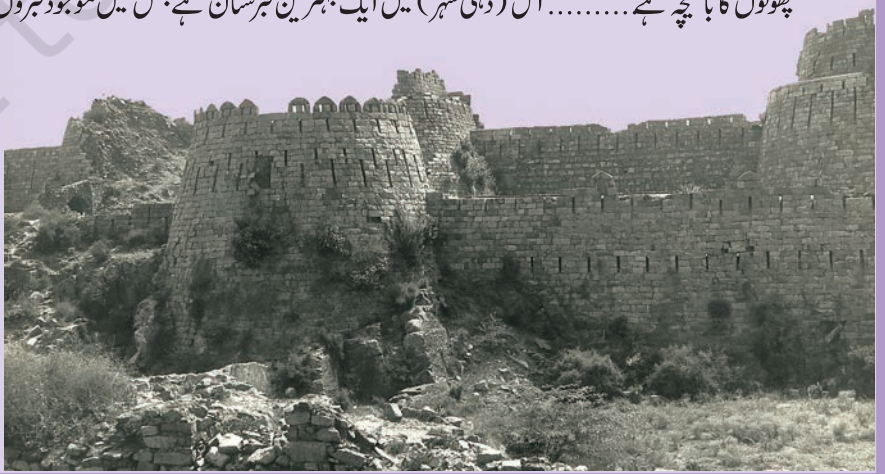
شکل 5.8 (اوپر)
تغلق آباد دھلی کا ایک دروازہ
شکل 5.9 (دائیں)
بستی کی قلعہ بند دیوار کا ایک حصہ

بازار صرف معاشی لین دین کے مقام ہی نہیں تھے بلکہ یہ سماجی اور معاشی سرگرمیوں کے مراکز بھی تھے۔ زیادہ تر بازاروں میں ایک مسجد اور ایک مندر ہوتا تھا۔ ان میں سے کم از کم کچھ میں تو رقاصاؤں، موسیقاروں اور گلوکاروں کے عوامی مظاہرہ کے لیے مقام بھی متعین ہوتے تھے۔

حالانکہ ابن بطوطہ کو شہروں کی خوشحالی کا ذکر کرنے میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مؤرخین نے اس تحریر کو استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شہر اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ گاؤں کی فاضل پیداوار کے تصرف سے حاصل کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے پایا کہ ہندوستانی زراعت کی کثیر پیداواری کا سبب مٹی کی زرخیزی تھی جو کسانوں کے لیے سال میں دو فصلیں پیدا کرنا ممکن بناتی تھی۔ اس نے یہ بھی دھیان دیا کہ برّصغیر کاروبار اور تجارت کے بین ایشیائی نیٹ ورک سے اچھے ڈھنگ سے مربوط تھا۔ ہندوستانی مال کی وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا، دونوں میں بہت مانگ تھی۔ جس کی وجہ سے دست کاروں اور تاجروں کو بھاری فائدہ ہوتا تھا۔ ہندوستانی کپڑے — خاص طور سے سوتی کپڑے، باریک ململ، ریشم، زری اور ساٹن کی بہت زیادہ مانگ تھی۔ ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے کہ باریک ململ کی کئی اقسام اتنی مہنگی تھیں کہ انھیں امرا اور بہت زیادہ مالدار افراد ہی زیب تن کر سکتے تھے۔

شکل 5.10
اس طرح کی "اکات" بُنائی کے نمونے برِّصغیر ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ساحلی پیداواری مراکز میں اپنائے گئے اور ان میں ترمیم کی گئی۔

ماخذ 9

بازار میں موسیقی

دولت آباد کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان پڑھیے:

دولت آباد میں مرد اور خواتین گلوکاروں کا ایک بازار ہے جسے طرب آباد کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور وسیع بازاروں میں سے ایک ہے۔ یہاں بہت سی دوکانیں ہیں۔ ہر دوکان میں ایک ایسا دروازہ ہوتا ہے جو مالک کے گھر کی جانب بھی کھلتا ہے....... دوکانوں کو قالینوں سے آراستہ کیا گیا ہے اور دوکان کے وسط میں ایک گہوارہ ہوتا ہے جس پر مغنیہ بیٹھتی ہے۔ اس کی خادمائیں گہوارہ کو ہلاتی رہتی ہیں۔ گہوارہ قیمتی اشیا سے آراستہ ہوتا ہے۔ بازار کے وسط میں ایک بڑی گنبد نما چھت ہے۔ جس میں قالین بچھائے گئے ہیں اور اسے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس میں ہر جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد موسیقاروں کا چودھری اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ آکر بیٹھتا ہے۔ ہر ایک مغنیہ باری باری آکر اس کے سامنے سورج غروب ہونے تک گاتی اور رقص کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ چلا جاتا ہے۔ اس بازار میں عبادت کے لیے مساجد بھی ہیں......... ہندو حکمرانوں میں سے ایک....... جب بھی بازار سے گذرتا تھا گنبد نما چھت کے عین نیچے اترتا اور مغنیہ اس کے سامنے گانا پیش کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ کچھ مسلمان حکمرانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔
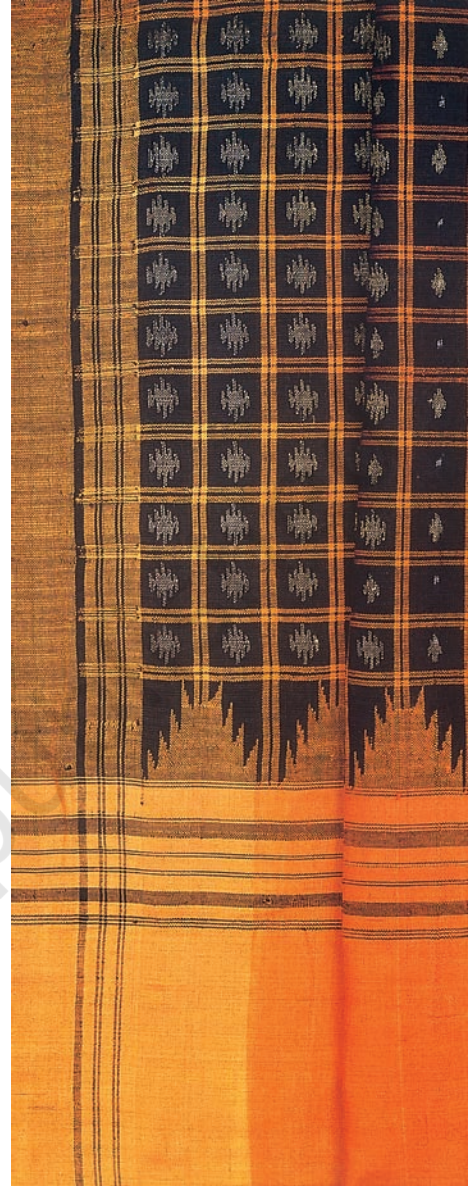
⊃ آپ کے خیال میں ابن بطوطہ نے ان سرگرمیوں کا ذکر کیوں کیا؟

5.3 پیغام رسانی کا انوکھا نظام

تاجروں کی حوصلہ افزائی کے لیے ریاست خصوصی اقدامات کرتی تھی۔ تقریباً سبھی تجارتی راستوں پر سرائے اور مسافر خانے بنائے گئے تھے۔ ابن بطوطہ ڈاک کے نظام کی کارگزاری دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ اس نظام کے ذریعہ تاجروں کے لیے نہ صرف لمبی دوری تک اطلاعات بھیجنا اور قرض ارسال کرنا ممکن ہوا بلکہ قلیل اطلاع پر مال بھیجنا بھی ممکن ہوتا تھا۔ ڈاک کا نظام اتنا منظّم تھا کہ جہاں سندھ سے دہلی تک کے سفر میں پچاس دن لگتے تھے، وہیں جاسوسوں کی خبریں سلطان تک اس ڈاک کے نظام کے ذریعہ صرف پانچ دن میں ہی پہنچ جاتی تھیں۔

ماخذ 10

گھوڑے پر اور پیدل

ڈاک کے نظام کا تذکرہ ابن بطوطہ کچھ اس طرح کرتا ہے:

ہندوستان میں دو طرح کی ڈاک کا نظام ہے۔ اسپ ڈاک نظام جسے اُلق (Uluq) کہا جاتا ہے۔ جو ہر چار میل کے فاصلے پر واقع مستقر سے شاہی گھوڑوں کے ذریعہ چلتا ہے۔ پیدل ڈاک نظام کے مستقر پر تین منزل پر واقع ہوتے ہیں۔ اسے دعویٰ (Dawa) کہتے ہیں۔ یہ ایک میل کا ایک تہائی ہوتا ہے۔۔۔۔ چونکہ ہر تین میل پر ایک گھنی آبادی والا گاؤں ہوتا ہے۔ جس کے باہر تین شہ نشیں (پویلین) ہوتے ہیں جن میں لوگ کام کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس دو ہاتھ لمبی ایک چھڑ ہوتی ہے جس کے اوپر تانبے کی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں۔ جب ہرکارہ شہر سے سفر شروع کرتا ہے تو ایک ہاتھ میں خط اور دوسرے میں گھنٹیاں لگی چھڑ لیے وہ اپنی طاقت کے مطابق تیز دوڑتا ہے۔ جب شہ نشیں میں بیٹھے لوگ گھنٹیوں کی آواز سنتے ہیں تو وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی ہرکارہ ان کے قریب پہنچتا ہے۔ ان میں سے ایک اس سے خط لے لیتا ہے اور وہ چھڑ ہلاتے ہوئے تب تک پوری قوت سے دوڑتا ہے جب تک وہ اگلے 'دعویٰ' تک نہیں پہنچ جاتا۔ خط کے اپنے منزل مقصود تک پہنچنے تک یہ عمل چلتا رہتا ہے۔ یہ پیدل ڈاک نظام، اسپ ڈاک نظام سے زیادہ تیز ہے اور اس کا استعمال اکثر خراسان کے پھلوں کی باربرداری کے لیے ہوتا تھا۔ جنھیں ہندوستان میں بہت پسند کیا جاتا تھا۔

➲ کیا آپ کو لگتا ہے کہ پیدل ڈاک کے نظام پر پورے برصغیر ہندوستان میں عمل درآمد کیا جاسکتا تھا؟

ایک حیرت انگیز ملک؟

1440 کی دہائی میں عبدالرزّاق کا لکھا سفرنامہ جذبات ومشاہدات کا ایک دلچسپ آمیزہ ہے۔ ایک طرف کیرل میں کالی کٹ (موجودہ کوزی کوڈ) بندرگاہ پر اس نے جو دیکھا اس کو قابل قدر تسلیم نہیں کیا۔ "یہاں ایسے لوگ آباد ہیں جن کا تصوّر میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔"

بعد میں اپنے ہندوستان کے سفر کے دوران وہ منگلور آیا اور مغربی گھاٹ کو پار کیا۔ یہاں اس نے ایک مندر دیکھا جس کو اس نے توصیفی انداز میں بیان کیا ہے۔

منگلور سے نو میل کے اندر ہی میں نے ایک مندر دیکھا۔ ایسا میں نے پوری دنیا میں کہیں نہیں دیکھا تھا۔ یہ مربع تھا جس کا ایک ضلع تقریباً 10 گز، اونچائی پانچ گز اور جو چار غلام گردشوں کے ساتھ پوری طرح سے ڈھلے ہوئے کانسہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ داخلی دروازے کی غلام گردش میں سونے کی ایک مورتی تھی جو انسان کے مماثل تھی اور سائز میں قد آدم تھی۔ اس کی دونوں آنکھوں میں لال رنگ کے یاقوت اتنی مہارت سے لگائے گئے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مانو وہ آنکھیں دیکھ سکتی ہوں۔ اس دستکاری اور کاریگری کے کیا کہنے!

➲ گفتگو کیجیے...

ابن بطوطہ ایسی اشیا اور حالات کے مسئلہ کو کیسے حل کرتا تھا جن کو لوگوں نے نہیں دیکھا تھا اور جن کا تجربہ بھی نہیں کیا تھا؟

6. برنیئر اور ''خستہ حال'' مشرق

ابن بطوطہ نے جہاں ہر اس چیز کا تذکرہ کرنا پسند کیا جس نے اس کو اپنے انوکھے پن کے سبب متاثر اور برانگیختہ کیا تھا وہیں برنیئر ایک الگ دانشورانہ روایت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں جو کچھ بھی دیکھا اس کا موازنہ عام طور سے یوروپ اور خاص طور سے فرانس کے حالات سے کرنے اور ان کے درمیان فرق کو اُجاگر کرنے کے تئیں زیادہ متفکر تھا۔ خاص طور سے وہ حالات جنھوں نے اس کو افسردہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ پالیسی سازوں اور دانشور طبقے کو متاثر کرنے کا تھا تاکہ وہ ایسے فیصلے لے سکیں جنھیں وہ ''صحیح'' مانتا تھا۔

برنیئر کا سفر نامہ ''ٹریلوس ان دی مغل ایمپائر'' (Travels in the Mughal Empire) اپنے تفصیلی مشاہدات، تنقیدی بصیرت اور تخیل کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔ اس کے سفرنامے میں کی گئی بحث میں مغلوں کی تاریخ کو عالمگیر ڈھانچے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ عہدِ مغل کے ہندوستان کا موازنہ یوروپ سے کرتا ہے اور عموماً ہندوستان پر یوروپ کی فوقیت پر زور دیتا ہے۔ اس کا ہندوستان کا تذکرہ دوہری مخالفت کے نمونے پر مبنی ہے جہاں ہندوستان کو یوروپ کے برعکس کم تر دکھایا گیا ہے۔ اس نے حق وراثت یا ولی عہدی میں جو اختلافات محسوس کیے انھیں بھی اپنے مشاہدے کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ تاکہ ہندوستان مغربی دنیا کو حقیر نظر آئے۔

6.1 زمین پر ملکیت کا سوال

برنیئر کے مطابق مغل ہندوستان اور یوروپ کے درمیان بنیادی فرق میں سے ایک ہندوستان میں نجی زمین کی ملکیت کا فقدان تھا۔ اس کا نجی ملکیت کے وصف میں پختہ یقین تھا اور اس نے زمین پر شاہی ملکیت کو ریاست اور اس کے باشندوں — دونوں کے لیے نقصان دہ مانا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مغل سلطنت میں بادشاہ ساری زمینوں کا مالک تھا جو اسے اپنوں کے درمیان تقسیم کرتا تھا۔ اس سے معیشت اور سماج کے لیے مصیبت خیز نتائج پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کا ادراک برنیئر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ سولھویں اور سترھویں صدی کے زیادہ تر سیاحوں کے سفرناموں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

زمین کی شاہی ملکیت کے سبب برنیئر دلیل دیتا ہے کہ زمین مالکان اپنے بچوں کو زمین نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے وہ پیداوار کی سطح کو بنائے رکھنے کے لیے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے طویل مدتی سرمایہ کاری کے تئیں مایوس تھے۔ اس طرح نجی ملکیت کے فقدان نے ''بہتر'' زمین مالکوں کے طبقہ کے ابھرنے (جیسا کہ مغربی یوروپ میں) نہیں دیا جو زمین کی دیکھ بھال اور

دور تک پھیلی غریبی

پلسارٹ نامی ایک ڈچ سیاح نے سترھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں برِّصغیر ہند کی سیاحت کی تھی۔ برنیئر کی ہی طرح وہ بھی لوگوں میں دور تک پھیلی غریبی دیکھ کر حیرت زدہ تھا۔ لوگ ''اتنی زیادہ خستہ حال غریبی'' میں رہتے ہیں کہ ''ان کی زندگی کو صرف مستقل فقدان کے گھر اور شدید رنج ومصیبت کے مقام کی شکل میں تصویر کشی یا صحیح طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔'' ریاست کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے وہ کہتا ہے۔ ''کسانوں کو اتنا زیادہ نچوڑا جاتا ہے کہ پیٹ بھرنے کے لیے ان کے پاس سوکھی روٹی بھی بمشکل بچتی ہے۔''

بہتری کے تئیں فکرمند رہتے۔اس کے سبب سوائے حکمراں طبقے کے زراعت کی یکساں طور پر تباہی، کسانوں کا حد درجہ استحصال اور سماج کے سبھی طبقات کے معیارِ زندگی میں مسلسل زوال ہوا۔

ماخذ 11

غریب کسان

برنیئر کے، گاؤں کے کسانوں کے تذکرے میں سے ایک اقتباس پیش ہے:

سلطنت ہند کے نہایت وسیع خطوں میں سے کئی صرف ریتیلے یا بنجر پہاڑ ہیں۔ یہاں کی زراعت اچھی نہیں ہے اور آبادی بھی کم ہے۔ یہاں تک کہ قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ مزدوروں کی کمی کے سبب کھیتی کرنے سے رہ جاتا ہے۔ان میں سے کئی مزدور گورنروں کے ذریعہ برتے گئے برے سلوک کے نتیجے میں مرجاتے ہیں۔غریب جب اپنے لالچی آقاؤں کی مانگوں کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہوتے تو ان کو نہ صرف بقائے زندگی کے وسائل سے محروم کر دیا جاتا ہے بلکہ انھیں اپنے بچوں کو بھی کھونا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس انتہائی جابرانہ سلوک کی وجہ سے مایوس ہو کر کسان گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اس اقتباس میں برنیئر ریاست اور سماج سے متعلق یوروپ میں جاری ہم عصر بحث و مباحثہ میں حصہ لے رہا تھا اور اس کی کوشش تھی کہ مغل ہندوستان سے متعلق اس کا بیان یوروپ میں ان لوگوں کو متنبہ کرنے کا کام کرے گا جو نجی ملکیت کی "اچھائیوں" کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

برنیئر کے مطابق برصغیر ہندوستان میں کسانوں کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا؟ کیا آپ کے خیال میں اس کا بیان اس مسئلے کو تقویت دیتا ہے؟

شکل 5.11
انیسویں صدی کی ایسی تصاویر کی مثالوں نے اکثر غیر معتدل دیہی سماج کے نظریہ کو تقویت دی ہے۔

اس تفصیل سے برنیئر ہندوستانی سماج کو قلاش افراد کی بے تفریق عوام سے بنا سماج بتاتا ہے، جو ایک بڑے اور طاقتور حکمراں جماعت جو اقلیت میں ہے، کا محکوم ہے۔غریبوں میں سب سے غریب اور امیروں میں سب سے امیر فرد کے درمیان کوئی بھی نام نہاد سماجی گروہ یا طبقہ نہیں تھا۔ برنیئر بڑے یقین سے کہتا ہے کہ "ہندوستان میں متوسط طبقے کے افراد نہیں ہیں۔"

پھر برنیئر نے کیسے مغل سلطنت کو اس طرح دیکھا۔ اس کا بادشاہ ''بھکاریوں اور ظالم لوگوں'' کا بادشاہ تھا۔ اس کے شہر اور قصبے تباہ و برباد اور ''خراب ہوا'' سے آلودہ تھے۔ اس کے کھیت ''جھاڑیوں'' اور ''وبائی دلدل'' سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا صرف ایک ہی سبب تھا۔ زمین کی شاہی ملکیت۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک بھی مغل سرکاری دستاویز یہ نہیں ظاہر کرتی کہ ریاست ہی زمین کی صرف اکیلی مالک تھی۔ مثال کے طور پر سولھویں صدی میں اکبر کے عہد کا سرکاری مؤرخ ابوالفضل زمین مال گزاری کو ''حکومت کا معاوضہ'' کے طور پر ذکر کرتا ہے، جو بادشاہ کے ذریعہ اپنی رعایا کی حفاظت مہیا کرنے کے عوض کیا گیا مطالبہ ہے، نہ کہ اپنے قصبے والی زمین پر لگان۔ ایسا ممکن ہے کہ یوروپی سیاح ایسے مطالبوں کو لگان مانتے تھے کیونکہ زمین کی مال گزاری کا مطالبہ اکثر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ تاہم یہ نہ تو لگان تھا اور نہ ہی زمین ٹیکس، بلکہ پیداوار پر یعنی فصل پر لگنے والا ٹیکس تھا (مزید تفصیل کے لیے باب 8 دیکھیے)

برنیئر کے بیانات نے اٹھارھویں صدی سے ہی نظریہ سازوں کو متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی فلسفی مونٹیکو نے اس کے سفر نامے کا استعمال مشرقی مطلق العنانی کے نظریہ کو ارتقا پذیر کرنے کے لیے کیا۔ جس کے مطابق ایشیا (اورینٹ یعنی مشرق) میں حکمراں اپنی رعایا کے اوپر مطلق اقتدار سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جنھیں تابعداری اور غریبی کی حالت میں رکھا جاتا تھا۔ اس دلیل کی بنیاد یہ تھی کہ ساری زمین کا تعلق بادشاہ سے ہوتا تھا یعنی اس کے قبضے میں ہوتی تھی۔ نجی ملکیت کا وجود نہیں تھا۔ اس نظریہ کے مطابق بادشاہ اور اس کے امراء طبقہ کو چھوڑ کر ہر ایک شخص مشکل سے گزر بسر کرتا تھا۔

انیسویں صدی میں کارل مارکس کے اس تصور اور نظریہ کو ایشیائی طریقۂ پیداوار (Asiatic mode of production) کے نظریہ کے طور پر مزید ترقی دی۔ اس نے یہ دلیل دی کہ ہندوستان (نیز دیگر ایشیائی ممالک) میں نوآبادیت سے قبل فاضل پیداوار پر تصرف ریاست کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اس سے ایک ایسے سماج کا ظہور ہوا جو بڑی تعداد میں خود اختیار اور (اندرونی طور پر) مساوات پر مبنی طبقات سے بنا تھا۔ ان دیہی طبقات پر شاہی دربار کی نگرانی ہوتی تھی۔ تب تک فاضل پیداوار کا بہاؤ بغیر رکاوٹ جاری رہتا تھا۔ اس کی خود مختاری کا احترام کیا جاتا تھا اور اس کو جمودی نظام مانا جاتا تھا۔

تاہم، جیسا کہ ہم دیکھیں گے (باب 8) دیہی سماج کی یہ تصویر کشی حقیقت سے بہت دور تھی۔ حقیقتاً سولھویں سترھویں صدی میں دیہی سماج میں خاصیت کے اعتبار سے بڑے پیمانے پر سماجی اور

ماخذ 12

یوروپ کے لیے ایک تنبیہ

برنیئر متنبہ کرتا ہے کہ اگر یوروپی حکمرانوں نے مغل نمونے کو اختیار کیا تو:

ان کی ریاستیں اس انداز سے اچھی طرح کاشت کی ہوئی اور آباد، اچھی طرح سے تعمیر، اتنی غنی، اتنی شائستہ اور پھلتی پھولتی نہیں رہ جائیں گی جیسا کہ ہم انھیں دیکھتے ہیں۔ دوسرے انداز میں ہمارے حکمراں دولت مند اور طاقتور ہیں۔ ہم کو یہ قبول کرنا ہوگا کہ ان کی اور بہتر اور شاہی طریقے سے خدمت ہو۔ وہ جلد ہی ریگستان اور ویران مقامات کے بھکاریوں اور وحشی لوگوں کے بادشاہ بن کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ وہ جن کے ضمن میں، میں نے تذکرہ کیا ہے۔ (مغل حکمراں)....
ہم ان عظیم شہروں اور قصبوں کو خراب ہوا کے سبب ناقابل سکونت زوال پذیر حالت میں پائیں گے جن کی درستی کی کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور جھاڑیاں یا وبائی دلدل سے بھرے ہوئے کھیت جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔

⬅ برنیئر تباہی و بربادی کے منظر کی تصویر کشی کس طرح کرتا ہے؟ جب آپ باب 8 اور باب 9 کا مطالعہ کریں گے تب آپ اس بیان کو پھر سے پڑھیے اور پھر اس کا تجزیہ کیجیے۔

معاشی فرق موجود تھا۔ ایک سرے پر بڑے زمین دار تھے جو زمین پر اعلیٰ حقوق سے لطف اندوز ہوتے تھے اور دوسری طرف ''اچھوت'' بے زمین مزدور تھے۔ ان دونوں کے درمیان میں بڑا کسان تھا جو کرائے کے مزدوروں (اجرت مزدور) کا استعمال کرتا تھا اور اشیا کی پیداوار میں مشغول رہتا تھا۔ ساتھ ہی چھوٹے کسان بھی تھے جو مشکل سے بقائے زندگی کے لائق پیداوار کر پاتے تھے۔

6.2 ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت

اگرچہ مغل حکومت کو ایک استبدادی شکل دینے کا تعصب واضح ہے پر اس کے بیانات گاہے بگاہے ایک زیادہ پیچیدہ سماجی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ محسوس کرتا ہے کہ دست کاروں کے پاس مصنوعات کو بہتر بنانے کے لیے کوئی محرک نہیں تھا۔ کیونکہ منافع پر ریاست کے ذریعہ تصرف کر لیا جاتا تھا۔ اس لیے پیداوار ہر جگہ زوال پذیر تھی۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی قبول کرتا ہے کہ پوری دنیا سے بڑی مقدار میں قیمتی دھاتیں ہندوستان میں آتی تھیں، کیونکہ مصنوعات کی سونے اور چاندی کے عوض برآمد ہوتی تھی۔ وہ ایک خوشحال تجارتی طبقہ جو طویل مسافت کی مبادلہ تجارت میں مشغول تھا، کے وجود کی بھی اطلاع دیتا ہے۔

ماخذ 13

ایک مختلف سماجی معاشی منظر نامہ

برنیئر کے سفر نامہ سے لیا گیا یہ اقتباس پڑھیے جس میں زراعت اور دست کاری کی پیداوار، دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:

یہ ادراک کرنا ضروری ہے کہ اس ملک کے وسیع زمینی خطے کا زیادہ تر حصہ نہایت زرخیز ہے۔ مثال کے طور پر بنگال کی وسیع ریاست جو مصر سے نہ صرف چاول، مکّا اور بقائے زندگی کی دیگر ضروری اشیا کی پیداوار، بلکہ ان بے شمار تجارتی اشیا کے تعلق میں جو مصر میں بھی کاشت نہیں کی جاتیں جیسے ریشم، کپاس اور نیل سے کہیں آگے ہے۔ ہندوستان کے کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں آبادی کثیر ہے اور زمین پر زراعت اچھی ہوتی ہے۔ جہاں ایک دست کار، جو اگرچہ بنیادی طور پر کاہل ہوتا ہے، ضرورت سے یا کسی دیگر سبب سے اپنے آپ کو قالین، کمخواب، کشیدہ کاری، سونے اور چاندی کے لباس اور مختلف قسم کے ریشم اور سوتی کپڑے جو ملک میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور ملک سے باہر برآمد بھی کیے جاتے ہیں، کو تیار کرنے کے کام کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

اس بات کو نظر انداز کرنا مشکل ہوگا کہ پوری دنیا کے سبھی حصوں میں گردش کرنے کے بعد سونا اور چاندی ہندوستان میں آ کر کچھ حد تک کھو جاتے ہیں۔

➲ اس اقتباس میں کیا گیا تذکرہ ماخذ 11 میں دیے گئے اقتباس سے کن معنوں میں مختلف ہے؟

شکل 5.12
چمچہ جس میں زمرد اور روبی پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ مغل دست کاری اور مہارت کی ایک مثال

حقیقت میں سترھویں صدی میں آبادی کا تقریباً 15 فی صد حصہ شہروں میں سکونت پذیر تھا۔ یہ اوسطاً اسی عہد کے مغربی یوروپ کی شہری آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ تھا۔ باوجود یہ کہ برنیئر عہد کے شہروں کو ''خیمہ شہر'' کے طور پر ذکر کرتا ہے، جس سے اس کی مراد ان شہروں سے تھی جو اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے شاہی خیمے پر منحصر تھے۔ اس کا ماننا تھا کہ شاہی دربار کے میل جول سے ان کا وجود قائم رہتا تھا اور لاتعلقی پر زوال پذیر ہو جاتا تھا۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ ان کی سماجی اور معاشی بنیاد زندہ رہنے کے لائق نہیں تھی اس لیے یہ شاہی امداد پر رہتے تھے۔

زمین کی ملکیت کے سوال کی طرح ہی برنیئر ایک از حد سادہ تصویر پیش کر رہا تھا۔ واقعتاً سبھی قسم کے شہر موجود تھے: پیداواری مراکز (شہر)، تجارتی شہر، مذہبی مراکز، زیارتی مقامات وغیرہ۔ ان کی بقا، خوشحالی، تجارتی طبقات اور پیشہ ور طبقوں کی بقا کا مظہر تھی۔

تاجر اکثر مضبوط جماعتی وطبقاتی رشتہ داری کے تعلق سے منظّم تھے اور اپنی ذات اور پیشہ ورانہ (کاروباری) انجمنوں کے ذریعہ منظّم رہتے تھے۔ احمد آباد جیسے شہری مرکز میں سبھی مہاجنوں کی اجتماعی نمائندگی تجارتی طبقے کے مکھیا کے ذریعہ ہوتی تھی جسے ''نگر سیٹھ'' کہا جاتا تھا۔

دیگر شہری گروپوں میں کاروباری جماعتوں جیسے معالج (حکیم یا وید)، اساتذہ (ملّا و پنڈت)؛ وکیل، مصوّر، معمار، موسیقار، کاتب وغیرہ شامل تھے۔ اگرچہ کچھ شاہی سرپرستی پر منحصر تھے۔ بہت سے دیگر سرپرستوں یا بھیڑ بھاڑ والے بازاروں میں عام لوگوں کی خدمت کے ذریعہ زندگی گزارتے تھے۔

ماخذ 14

شاہی کارخانے

شاید برنیئر اکیلا ایسا مؤرخ ہے جو شاہی کارخانوں کے طریقۂ عمل کا تفصیلی تذکرہ مہیا کراتا ہے:

کئی مقامات پر بڑے ہال دکھائی دیتے ہیں جنھیں کارخانہ یا دست کاروں کے کام کرنے کی جگہ کہتے ہیں۔ ایک ہال میں کشیدہ کار ایک استادِ فن کی نگرانی میں مصروف کار رہتے ہیں۔ ایک دیگر ہال میں آپ سناروں کو مصروفِ عمل پائیں گے، تیسرے میں مصوّر، چوتھے میں روغن گر، ملمع کاری کا کام کرتے ہوئے۔ پانچویں میں بڑھئی، خراد کرنے والے، درزی اور جوتے بنانے والے، چھٹے میں ریشم، کمخواب نیز عمدہ ململ بنانے والے۔۔۔۔

دستکار اپنے کارخانوں میں ہر روز صبح آتے ہیں جہاں وہ پورے دن مصروف رہتے ہیں اور شام کو اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ کوئی بھی زندگی کے ان حالات میں سدھار کرنے کا خواہش مند نہیں ہے جن میں وہ پیدا ہوا تھا۔

برنیئر اس خیال کو کس طرح ذہن نشین کراتا ہے کہ اگرچہ ہر طرف کافی سرگرمی تھی پر ترقی بہت کم تھی؟

گفتگو کیجیے ...

آپ کے خیال میں برنیئر جیسے دانشوروں نے ہندوستان کا موازنہ یوروپ سے کیوں کیا؟

7. عورتیں
غلام، ستی اور مزدور

جن سیاحوں نے اپنے سفرنامے تحریر کیے ہیں وہ عام طور پر مرد تھے جنھیں برصغیر ہند میں عورتوں کی حالت دلچسپ اور کبھی کبھی پر تجسس لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ سماجی بے انصافی کو 'فطری'' معاملات مان لیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بازاروں میں دیگر اشیاء کی طرح غلام کھلے عام فروخت ہوتے تھے اور مستقل طور پر تحفہ میں دیے جاتے تھے۔ اب ابن بطوطہ سندھ پہنچا تو اس نے سلطان محمد بن تغلق کو تحفہ میں دینے کے طور پر 'گھوڑے، اونٹ اور غلام' خریدے تھے۔ جب وہ ملتان پہنچا تو اس نے گورنر کو کشمش اور بادام کے ساتھ ایک غلام اور گھوڑا تحفہ میں پیش کیا۔ ابن بطوطہ بتاتا ہے کہ محمد بن تغلق، نصیرالدین نامی مبلغ کے خطبات سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے ایک لاکھ ٹکے (سکے) اور دو سو غلام اس کو عطا کیے۔

ابن بطوطہ کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلاموں میں کافی فرق تھا۔ سلطان کی خدمت میں مشغول کچھ غلام عورتیں، موسیقی اور رقص میں ماہر تھیں اور ابن بطوطہ سلطان کی بہن کی شادی کے موقع پر ان کے مظاہرہ سے بہت لطف اندوز ہوا تھا۔ سلطان اپنے امرا پر نظر رکھنے کے لیے بھی غلام عورتوں کو مقرر کرتا تھا۔

غلاموں کو عام طور پر گھریلو خدمات کے لیے ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ ابن بطوطہ نے ان کی خدمات کو، پالکی یا ڈولے میں مردوں اور عورتوں کو لے جانے میں خاص طور پر ناگزیر پایا۔ غلاموں کی قیمت، بالخصوص ان غلام عورتوں کی جن کی ضرورت گھریلو خدمات کے لیے تھی، بہت کم ہوتی تھی۔ زیادہ تر خاندان جو رکھنے کی قدرت رکھتے تھے کم از کم ایک یا دو غلام تو رکھتے ہی تھے۔

سبھی ہم عصر یوروپی سیاحوں اور مصنّفین نے عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کی اکثر مغربی اور مشرقی سماجوں کے درمیان اہم فرق کے طور پر نشان دہی کی تھی۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ برنیئر نے ستی کے رسم ورواج کو تفصیلی ذکر کے لیے منتخب کیا۔ اس نے لکھا کہ گرچہ کچھ عورتیں خوشی سے موت کو گلے لگا لیتی تھیں جب کہ دیگر کو مرنے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا۔

باوجود اس کے کہ عورتوں کی زندگی ستی کی رسم کے علاوہ دیگر بہت سی چیزوں کے گرد گھومتی تھی۔ ان کی محنت، زراعت اور غیر زرعی پیداوار، دونوں میں اہم تھی۔ تجارتی گھرانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی تجارتی جھگڑوں کو

ماخذ 15

غلام عورتیں

ابن بطوطہ ہمیں بتاتا ہے:

یہاں بادشاہ کی عادت ہے..... ہر بڑے یا چھوٹے امیر کے ساتھ اپنے غلاموں میں سے ایک کو رکھنے کی، جو اس کے امیروں کی مخبری کرتا ہے۔ وہ خاتون خاکروب کو بھی مقرر کرتا ہے جو بنا اطلاع دیے گھر میں داخل ہو جاتی ہیں اور غلام عورتوں کے پاس جو بھی اطلاعات ہوتی ہیں وہ اس کو دے دیتی ہیں۔

زیادہ تر غلام عورتوں کو حملوں اور مہمات کے دوران اسیر کر لیا جاتا تھا۔

ماخذ 16

بچی کی ستی

یہ شاید برنیئر کے تذکروں میں سب سے زیادہ دردناک تذکرہ ہے:

لاہور میں میں نے ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان بیوہ جس کی عمر میرے خیال میں بارہ سال سے زیادہ نہ تھی، کی قربانی ہوتے ہوئے دیکھی۔ اس بھیانک جہنم کی طرف جاتے ہوئے وہ بے سہارا چھوٹی بچی زندہ سے زیادہ مردہ لگ رہی تھی۔ اس کی ذہنی الجھن کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کانپ رہی تھی اور بری طرح رو رہی تھی۔ لیکن تین یا چار برہمن، ایک بزرگ عورت، جس نے اس کو اپنے بازوؤں کے نیچے دبایا ہوا تھا، کی مدد سے اس عدم خواہش شکار کو زبردستی مقام کی طرف لے گئے۔ اسے لکڑیوں پر بیٹھایا گیا۔ اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دیے گئے تا کہ وہ بھاگ نہ جائے اور اس حالت میں اس معصوم مخلوق کو زندہ جلا دیا گیا۔ مجھے احساس ہے کہ اپنے جذبات کو دبانے اور پھٹ پڑتے احتجاج اور لاحاصل غصّے کو ان کے اُبال کے سامنے، دبانے پر مجبور ہونا پڑا۔

گفتگو کیجیے . . .

آپ کے خیال میں عام عورتوں کی زندگی نے ابن بطوطہ اور برنیئر جیسے سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کیوں نہیں کی؟

عدالت کے سامنے بھی لے جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ بعید از قیاس لگتا ہے کہ عورتوں کو ان کے گھروں کے نجی مقامات تک محدود رکھا جاتا تھا۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ سیاحوں کے سفر نامے ان صدیوں میں مردوں اور عورتوں کی زندگی کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ تاہم ان کے مشاہدات جہاں سے وہ آئے تھے اس تناظر میں اکثر ایک خاص شکل میں دیکھے جاتے ہیں۔ اس زمانے کی سماجی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر ان سیاحوں نے دھیان نہیں دیا۔

ساتھ ہی برصغیر ہند کے مردوں (اور ممکنہ طور پر عورتوں) کے تجربات اور مشاہدات سے نسبتاً لاعلم ہیں جنھوں نے سمندروں اور پہاڑوں کو پار کیا اور برصغیر سے باہر کے علاقوں میں جوکھم بھرے سفر کیے۔ انھوں نے کیا دیکھا اور سنا؟ دور دراز علاقوں کے لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات کس طرح قائم ہوئے، وہ کن زبانوں کا استعمال کرتے تھے؟ امید ہے کہ ان پر اور دیگر سوالات پر آنے والے برسوں میں مؤرخ منصوبہ بند طریقے سے تبادلۂ خیال کریں گے۔

شکل 5.13

متھرا سے سنگ تراشی کا ایک پینل، جس میں سیاحوں کو دکھایا گیا ہے.

آمد و رفت کے وہ کون سے ذرائع ہیں جو یہاں دکھائے گئے ہیں؟

ٹائم لائن
کچھ سیاح جنھوں نے اپنے سفرنامے تحریر کیے

دسویں صدی۔ گیارھویں صدی 973-1048	محمد ابن احمد ابوریحان البیرونی (ازبیکستان سے)
تیرھویں صدی 1254-1323	مارکو پولو (اٹلی سے)
چودھویں صدی 1304-77	ابن بطوطہ (مراقش سے)
پندرھویں صدی 1413-82	عبدالرزّاق کمال الدین ابن اسحاق السمرقندی (سمرقند سے)
1466-72 (ہندوستان میں گزارے سال)	افاناسی نکی ٹچ نکی ٹن (روس سے)
سولھویں صدی 1518 (ہندوستان کا سفر)	دوارتے باربوسا، وفات 1521 (پُرتگال سے)
1562 (سال وفات)	سیدی علی رئیس (ترکی سے)
1536-1600	انٹونیو مانسرات (اسپین سے)
سترھویں صدی 1626-31 (ہندوستان میں گزارے سال)	محمد ولی بلخی (بلخ سے)
1600-67	پیٹر منڈی (انگلینڈ سے)
1605-89	جین باپٹسٹ ٹیورنیئر (فرانس سے)
1620-88	فرانکوئس برنیئر (فرانس سے)

نوٹ : جہاں کوئی اشارہ نہیں ہے، تاریخیں سیاح کے عرصہ حیات کو ظاہر کر رہی ہیں۔

150-100 لفظوں میں جواب دیجیے

1۔ کتاب الہند پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ ابن بطوطہ اور برنیئر نے جن تناظر سے ہندوستان میں اپنے سفرنامے تحریر کیے تھے، ان کا موازنہ کیجیے اور فرق بتائیے۔

3۔ برنیئر کے سفرنامے سے شہری مراکز کی ابھرنے والی تصویر پر بحث کیجیے۔

4۔ ستی کی رسم سے متعلق ابن بطوطہ کی دی گئی شہادتوں کا تجزیہ کیجیے۔

5۔ ستی کی رسم کے کون سے عوامل تھے جس نے برنیئر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی؟

مندرجہ ذیل پر ایک مضمون (تقریباً 250 سے 300 الفاظ پر مشتمل) لکھیے

6۔ ذات پات کے نظام کے متعلق البیرونی کی فہم پر بحث کیجیے۔

7۔ آپ کے خیال میں کیا ہم عصر شہری مراکز میں طرز زندگی کی صحیح فہم حاصل کرنے میں ابن بطوطہ کا تذکرہ معاون و مددگار رہے؟ دلائل پیش کیجیے۔

8۔ برنیئر کا سفرنامہ کس حد تک مورخین کو ہم عصر دیہی سماج کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے قابل بناتا ہے؟ بحث کیجیے۔

9۔ برنیئر کے اس اقتباس کو پڑھیے:

ایسے لوگوں کے ذریعہ تیار کردہ دست کاری کے نمونوں کی بہت سی مثالیں ہیں جن کے پاس اچھے اوزاروں کا فقدان ہے اور جن کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے کسی ماہر فن استاد سے کام سیکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ یورپ میں تیار اشیا کی اتنی مہارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ اصل اور نقل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دیگر اشیا میں ہندوستانی لوگ بہترین نالی والی بندوقیں اور ایسے نفیس زیورات بناتے ہیں کہ رشک آتا ہے کہ کیا یوروپی سنار، کاریگری کے ان عمدہ نمونوں سے بہتر بنا سکتا تھا۔ میں اکثر ان کی رنگوں سے بنائی تصویروں کی خوبصورتی، ملائمت اور نزاکت و نفاست سے حیرت زدہ ہو جاتا ہوں۔

اس پیراگراف میں ذکر کی گئی دست کاری کی فہرست بنایئے اور اس کا موازنہ اس باب میں مذکور دست کارانہ سرگرمیوں سے کیجیے۔

نقشے کا کام

10۔ دنیا کے خاکے میں ان ملکوں کی نشاندہی کیجیے جن کا سفر ابن بطوطہ نے کیا تھا۔ وہ کون سے سمندر تھے جنھیں وہ پار کرسکا تھا۔

پروجیکٹ (کوئی ایک)

11۔ اپنے کسی ایسے بزرگ رشتہ دار (والد/والدہ /دادا/دادی/ چچا/ چچی وغیرہ کا انٹرویو لیجیے جنھوں نے آپ کے شہر یا گاؤں کے باہر سفر کیا ہو۔ معلوم کیجیے (a) وہ کہاں گئے تھے۔ (b) انھوں نے کیسے سفر کیا؟ (c) انھیں کتنا وقت لگا؟ (d) انھوں نے سفر کیوں کیا؟ (e) کیا انھوں نے کسی مشکل کا سامنا کیا؟ ان کے مقام سکونت اور سفر کے مقامات کے درمیان زبان، لباس، غذا، رسم ورواج، عمارات، سڑکیں اور مرد عورت کی طرز زندگی میں یکسانیت اور فرق کی فہرست بنایئے جنھوں نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی اور ان سے حاصل معلومات پر ایک رپورٹ تحریر کیجیے۔

12۔ اس باب میں مذکور سیاحوں میں سے ایک کے حالات زندگی اور تحریروں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔ ان کی سیاحت پر ایک رپورٹ تیار کیجیے، خاص طور پر اس بات پر توجہ دیتے ہوئے کہ انھوں نے سماج کا تذکرہ کس طرح کیا تھا اور اس کا موازنہ باب میں دیے گئے اقتباسات سے کیجیے۔

اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

مظفر عالم اور سنجے سبرامنیم، 2006
Indo-Persian Travels in the Age of Discoveries, 1400-1800
کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج۔

کیتھرائن آشر اور سنتھیا ٹالبوٹ، 2006
India Before Europe. کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج

فرانسس برنیئر
Travels in the Mogul Empire AD 1656-1668 لو پرائز پبلی کیشن، نئی دہلی

ایچ۔اے۔آر۔ گب (مرتبہ)، 1993
The Travels of Ibn Battuta.
منشی رام منوہر لال، دہلی

مشیر الحسن (مرتبہ)، 2005
Westward Bound: Travels of Mirza Abu Talib. آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

شکل 5.14
اس تصویر میں سیاحوں کو آرام کرتے ہوئے دکھایا گیا ھے.

ایچ۔کے۔کول (مرتبہ)،1997
Travellers' India-an Anthology.
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

جان باپٹسٹ ٹیورنیر، 1993
Travels in India.
منشی رام منوہر لال، دہلی

مزید معلومات کے لیے آپ ویب سائٹ پر رابطہ کر سکتے ہیں:
www.edumaritime.org